از افادات: غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ

عصمت انبیاء علیہم السلام

جمعیت اشاعت اہلسنت
نور مسجد کاغذی بازار میٹھادر کراچی۔
مفت سلسلۂ اشاعت نمبر ۳۴

بسمہ تعالیٰ

الصلوة والسلام عليك يارسول الله صلي الله عليه وسلم

عصمت انبیاء علیہم السلام ایک ایسا عقیدہ ہے کہ جس پر مذہب حقہ اہلسنت و جماعت کا ہمیشہ سے اتفاق رہا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام گناہوں سے قطعی منزہ و معصوم ہیں اور ان کی جناب میں گناہ کا عقیدہ رکھنا صریح گمراہی اور قہر خداوندی کو دعوت دینا ہے۔

آج تک بدبخت دیوبندی اور نجدی ہی اس بات کے درپے تھے کہ کسی طرح سرور دو جہاں علیہ الفضل الصلوۃ والتسلیم کی شان پاک میں نہ صرف یہ کہ تنقیصی پہلو نکالا جائے بلکہ خناس کی طرح ایسے اشخاص کے دلوں میں بھی کھٹکا پیدا کیا جائے جو کہ تعظیم و توقیر کے قائل ہیں۔ اپنے ان مقاصد مذمومہ کے حصول کے لئے یہ مخصوص بدعقیدہ گروہ اپنے خبث باطنی کے تحت کبھی آیات قرآنیہ اور کبھی احادیث مبارکہ کے من گھڑت معنی و مفاہیم نکال کر بھولے بھالے سنی مسلمانوں کو گمراہی کی عمیق دلدل میں دھکیلتے رہتے ہیں۔ مگر افسوس صد افسوس! کہ آج کل ان کی دیکھا دیکھی چند گندم نما جو فروش آستین کے سانپ ایسے بھی پیدا ہوگئے ہیں جنہوں نے اپنے اوپر سنیت (بریلویت) کا لیبل لگا کر ان ہی گندے اور پھوہڑ عقائد کی حمایت شروع کردی ہے جو کہ عقائد اہلسنت و الجماعت کے سراسر منافی ہیں۔

حضرت علامہ مولانا سید احمد سعید شاہ کاظمی صاحب نے اپنے رسالے ”عصمت انبیاء علیہم السلام“ میں اپنے خامہ نور فزا سے بڑے مدلل اور جامع انداز میں بیان کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شان مبارک میں گناہ کا عقیدہ رکھنا کیسا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس رسالے کے مطالعے سے ان تمام غلط و غلیظ عقائد کی دھند آنکھوں کے سامنے سے چھٹ جائے گی جو گروہ وہابیہ کی مذموم کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

جمعیت اشاعت اہلسنت اپنے سلسلہ مفت اشاعت کی ۳۴ ویں کڑی کے طور پر اس رسالے کو شائع کرنے کا شرف حاصل کررہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے پیارے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے و طفیل سے جمعیت کی اس سعی کو قبول فرماتے ہوئے اس رسالے کو نافع ہر خاص و عام بنائے۔ آمین

بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سید محمد امین قادری

صدر : جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان)

عصمتِ انبیا علیہم السلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً قطع نظر دیگر خصوصیات وکمالات نبوت کے اتنی بات تو ہر اس شخص کے نزدیک مسلّمات سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کسی کتاب اور دین سماوی پر اعتقاد رکھتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام خدا تعالیٰ کے پیغامبر اور اس کے احکام کے مبلغ ہوتے ہیں جن کا کام لوگوں کو راہِ ہدایت دکھانا اور نجات اخروی کے طریقے بتانا ہے عقل وانصاف کی روشنی میں اتنی ہی بات ان کی معصومیت تسلیم کرنے کے لئے کافی ہے۔

مگر انتہائی افسوس وتعجب ان اہلِ کتاب پر ہے جنہوں نے نبیوں کو بھی ان کران کے متعلق ایسے ناپاک من گھڑت قصے وضع کئے اور حیا سوز بہتان تراشے جنہیں سن کر انسانیت شرم سے پانی پانی ہو جاتی ہے اور ایک انتہائی گنہ گار آدمی بھی ان کے تصور سے نفرت کرنے لگتا ہے۔

مثال کے طور پر سیدنا لوط علیہ السلام کا ان کی صاحبزادیوں سے متعلق وہ شرمناک واقعہ جو بائیبل میں مرقوم ہے سامنے رکھ لیجئے حیا اجازت نہیں دیتی کہ وہ الفاظ نقل کئے جائیں۔ ناظرین کرام! اگر تصحیح نقل کے لئے اصل عبارت دیکھنے کے خواہشمند ہوں تو پیدائش باب ۱۹، آیت ۳۰ تا ۳۸ بائیبل صفحہ ۱۰ پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

اس کے جواب میں عیسائیوں کا یہ کہنا کہ یہ سب کچھ لوط علیہ السلام کی لاعلمی میں ہوا

ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ ان افعال کی نوعیت ایسی ہے جو اللہ کے نبی کی شان کے لائق کسی حال میں نہیں ہو سکتی۔ یہ بے حیائی عام آدمی کے لئے بھی سخت ذلت و رسوائی کا موجب ہے چہ جائیکہ ایک نبی کے لئے اس کا ارتکاب تسلیم کیا جائے ایسی لاعلمی انبیاء علیہ السلام کے منصب نبوت کے پیش نظر عقل سلیم ایک آن کے لئے بھی ان کے حق میں ممکن تسلیم نہیں کرتی۔ خدا کا نبی خدائے قدوس کی طرف سے نور نبوت کی وہ روشنی اور بصیرت لے کر آتا ہے جس کے ہوتے ہوئے اس قسم کی لاعلمی اس کے حق میں ممکن نہیں بلکہ ایسی حالت کا اس پہ طاری ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ اس لاعلمی کے حال میں نبی نور نبوت سے محروم ہو جائے یعنی اس وقت وہ نبی نہ رہے حالانکہ نبوت ایسی صفت نہیں کہ کسی نبی میں کبھی ہوا ہو کبھی نہ ہو۔ نبی ہر وقت نبی ہوتا ہے اور نور نبوت اس سے کسی حال میں سلب نہیں کیا جاتا۔ ایسی صورت میں لاعلمی کا عذر پیش کرنا بجائے [illegible] دلیل ہے۔

ہاں یہ ممکن ہے کہ نبوت و رسالت کے کسی کمال کی تکمیل اور اس کے ظہور کے لئے یا اللہ تعالیٰ کی کسی دوسری حکمت کے پورا ہونے کی بناء پر کسی وقت خاص میں نبی پہ کسی صفت محمودہ جیسے رحم و کرم، شفقت و رافت کے حال کا غلبہ ہو جائے اور اس کے باعث تھوڑے سے وقت کے لئے نبی پر ہلکا سا عدم التفات یا نسیان طاری ہو جائے تاکہ اس حال میں کمال نبوت کی تکمیل و ظہور ہو سکے اور اللہ تعالیٰ کی وہ حکمت جس کا پورا ہونا اسی حالت عدم التفات پر موقوف رکھا گیا تھا پوری ہو جائے جس کی مثالیں بکثرت انبیاء علیہم السلام کے بے شمار واقعات کے ضمن میں قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔

مثلاً آدم علیہ السلام، نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام، داؤد علیہ السلام سلیمان علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام اور ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے نبیوں بالخصوص آقائے نامدار، تاجدار مدنی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک میں اس قسم کے بہت سے واقعات پائے جاتے ہیں جو اہل علم سے مخفی نہیں، لیکن ان میں سے کوئی واقعہ ایسا نہیں جو کسی لحاظ سے بھی منصب نبوت کے منافی ہو بلکہ ان سب کی نوعیت یہ ہے کہ ان سے کمالات نبوت کا ظہور اور اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کی تکمیل وابستہ ہے۔

اہل کتاب کے نزدیک منصب نبوت کے بارے میں شرمناک تصور کی ایک جھلک ہم ناظرین کرام کے سامنے بائیبل کے حوالے سے پیش کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر انبیائے کرام * علیہم السلام کے متعلق جو اخلاق سوز واقعات اہل کتاب کے یہاں پائے جاتے ہیں ان کا تفصیلی بیان ہمارے لئے ناممکن ہے۔ اہل علم حضرات سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ بعض اہل اسلام ناقلین و مؤرخین نے بھی اپنی سادہ لوحی کی بناء پر وہ بعض حکایات نقل کر دیں جو انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی عظمت اور منصب نبوت کے منافی ہیں۔ متاخرین علماء نے جب انہیں کتاب و سنت اور عقل سلیم کی روشنی میں پرکھا اور ان کی چھان بین کی تو ان پر یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو گئی کہ یہ سب حکایات و روایات محض بے اصل ہیں اور اہل کتاب کے افتراء اور بہتان کے سوا ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں اور ان کے علاوہ دیگر مفسرین کرام نے اپنی تصانیف جلیلہ میں ان کا رد و ابطال فرمایا جیسا کہ تفسیر کبیر وغیرہ میں جا بجا اس کی تصریحات موجود ہیں لیکن ان بعض اہل علم مصنفین پر انتہائی افسوس ہے جنہوں نے اس قسم کی بے سر و پا روایات سے متاثر ہو کر عصمت انبیاء علیہم السلام کا انکار کر دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے عصمت نبوت کے خلاف دلائل قائم کرنے کی مذموم کوشش کی۔ انشاء اللہ ہم آگے چل کر ان کے جوابات ہدیہ ناظرین کریں گے۔ غالباً انہوں نے سمجھا کہ بائبل آسمانی کتاب ہے اور آسمانی میں تحریف نہیں ہو سکتی حالانکہ یہ خصوصیت صرف قرآن مجید کو حاصل ہے کہ اس میں تحریف کلمات ممکن نہیں اسی لئے اس کے نظم کو بھی معجزہ قرار دیا گیا اور فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہداءکم من دون اللہ فرما کر اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا کہ قرآن مجید ایسا کلام الٰہی ہے جس کا کوئی حصہ الگ کر کے غیر اللہ کے کلام کا پیوند اس میں نہیں لگایا جا سکتا۔ اور تورات و انجیل کے متعلق صاف صاف ارشاد فرما دیا کہ یحرفون الکلم عن مواضعہ مختصر یہ کہ قرآن کا معجزہ ہونا جن بے شمار حکمتوں کا حامل ہے ان میں ایک عظیم الشان حکمت

یہ بھی ہے کہ الفاظ قرآن میں تحریف کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے کیوں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن پر قرآن مجید نازل ہوا خاتم النبیین ہیں۔ اگر آپ کی لائی ہوئی کتاب کے الفاظ میں بھی تحریف ہو جائے تو اس کے ازالہ کے لئے کسی نبی کی بعثت ضروری قرار پائے گی جو ختم نبوت کے منافی ہے۔

چوں کہ اس وقت ہمارا موضوع عصمت انبیاء ہے اس لئے ہم اس مسئلہ کو یہاں زیادہ طول نہیں دینا چاہتے۔

دین سماوی کا وجود عصمت نبوت پر موقوف ہے

جب یہ حقیقت ناقابلِ انکار ہے کہ آسمانی دین صرف انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے نازل ہوا ہے تو عصمت نبوت سے بھی مجال انکار باقی نہیں رہتی کیوں کہ جو شخص کجرو ہوتا ہے وہ خود صراطِ مستقیم پر قائم نہیں رہتا چہ جائے کہ دوسروں کو خدا کے دین اور صراط مستقیم کی طرف بلائے۔

عصمت نبوت کا عقیدہ اسلام کی خصوصیت ہے

یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس نے انبیاء علیہم السلام کے دامنِ نبوت کو ان تمام عیوب و نقائص اور ذمائم و قبائح سے پاک قرار دیا جو عظمت نبوت کے منافی ہیں۔ اسلام کے سوا کسی دین میں عصمتِ نبوت کا عقیدہ نہیں پایا جاتا۔

اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ ہمارا موضوع ہے عصمۃ انبیاء علیہم السلام جس کے معنی ہیں نبیوں کی عصمت لہٰذا ہم نبی اور عصمت دونوں کے معنی پر روشنی ڈالتے ہیں تاکہ ناظرین کرام اصل موضوع کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیں۔

نبی

لفظ "نبی" منقول عرفی ہے یعنی اسے لغت سے عرف شرع میں نقل کیا گیا ہے پہلے ہم لفظ نبی کے لغوی معنی بیان کرتے ہیں جس کے ضمن میں اس کے ماخذ (نبوۃ) کے معنی پر بھی روشنی پڑ جائے گی۔ کیوں کہ مشتق میں اس کے ماخذ کے معنی کا پایا جانا ضروری ہے۔

لفظ "نبی" کے معنی

نبی کے معنی (۱) مخبر یعنی خبر دینے والا (۲) مخبَر یعنی خبر دیا ہوا (۳) طریق واضح (۴) ایک جگہ سے دوسری جگہ نکلنے والا (۵) ایک جگہ سے دوسری جگہ نکالا ہوا (۶) پوشیدہ اور ہلکی آواز سننے والا (۷) ظاہر۔ (۸) رفعت اور بلندی والا۔

لفظ نبی کے منقولہ بالا آٹھ معنی لغوی ہیں اور عرف شرع میں نبی اس مقدس انسان کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ایسا مصطفٰے، مخلص اور برگزیدہ ہو جسے اللہ تعالیٰ یہ فرمائے کہ میں نے تجھے فلاں قوم یا تمام لوگوں کی طرف اپنا مبلغ، پیغامبر اور نبی بنایا ہے، یا میری طرف سے میرے بندوں کو میرے احکام پہنچا دے یا اس قسم کے اور الفاظ جو ان معنی کا فائدہ دیتے ہیں جیسے بعثتك و نبئهم اللہ تعالیٰ اسے فرمائے اور "نبوۃ" عرف شرع میں اخبار عن اللہ کو کہتے ہیں۔ بعض علماء نے اطلاع علی الغیب سے بھی نبوت کی تفسیر کی ہے۔ جیسا کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفا شریف میں علامہ قسطلانی نے، مواہب لدنیہ، میں ارقام فرمایا ہے۔

لفظ نبی کے یہ آٹھ لغوی معنی جو بیان کئے گئے ہیں وہ سب عرفی نبی میں پائے جاتے ہیں۔ کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے خبردار کیا جاتا ہے اس لئے مخبَر ہے اور ارشاداتِ خداوندی کی خبر اپنی امت کو دیتا ہے لہٰذا مخبِر ہے اور اس کی ذات نجات اخروی کا روشن راستہ اور معرفت خداوندی کا وسیلہ ہے اس لئے وہ طریق واضح ہے اللہ کا نبی دشمنوں کی انتہائی ایذا رسانی کے بعد بحکم ایزدی ایک جگہ سے نکل کر دوسری جگہ جاتا ہے، یا کفار کی طرف سے شدید عداوت کی بناء پر بظاہر اس کا اخراج عمل میں آتا ہے اس لئے وہ خارج اور مخرج بھی ہے۔ نبی وحی الٰہی کی صوت خفی اور ہلکی آواز سنتا ہے لہٰذا اس میں صوت خفی سننے کے معنی بھی پائے جاتے ہیں، نبی علامات نبوت معجزات و آیات کا حامل ہونے کی وجہ سے کمال ظہور کی صفت سے متصف ہو جاتا ہے اس لئے وہ ظاہر بھی ہے۔ جسمانی اور روحانی اعتبار سے اللہ کے نبی کا مقام سب سے

وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص رفیع الرتبت اور بلند رتبہ ہو جائے اور اللہ کا نبی اپنی شان کی بلندی اور برہانِ نبوت کی روشنی کی وجہ سے اس کمال کے ساتھ موصوف ہوتا ہے تیسرا قول یہ ہے کہ وہ اس لفظ نبی سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں "الطریق" یعنی راستہ کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ ہوتا ہے۔

۴ ؛ مفردات میں ہے ؛

والنبأ الصوت الخفی مفردات ص ۵۰۰

نبأ (بسکون الباء) صوت خفی کو کہتے ہیں۔

اسی مفردات امام راغب میں ہے۔

النبی بغیر ھمز ..... وقال بعض العلماء ھو من النبوۃ ای الرفعۃ سُمّی نبیاً لرفعۃ محله عن سائر الناس المدلول علیه بقوله ورفعناہ مکاناً علیاً..... والنبوۃ والنباوۃ الارتفاع ....

(مفردات ص ۵۰۰ طبع مصر)

بعض علماء نے کہا ہے کہ نبی "نبوۃ" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں رفعت (بلندی) اور نبی کا نام نبی اس لئے رکھا گیا کہ اس کا مقام تمام لوگوں سے اونچا ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا قول "ورفعناہ مکاناً علیاً" دلالت کرتا ہے اور (لغت میں) "نبوۃ" اور "نباوۃ" کے معنی ارتفاع ہیں۔

۵ ؛ اقرب الموارد میں ہے۔

(النبوۃ) اسم من النبیٔ وھی الاخبار عن اللہ تعالیٰ ویقال النبوۃ بالقلب والادغام" اقرب الموارد جلد ۲ ص ۱۲۵۹ طبع مصر

"النبوۃ" اسم ہے "النبیٔ" سے اور وہ نبوۃ اخبار عن اللہ تعالیٰ کے معنی ہے اور اس لفظ النبوۃ کو قلب وادغام کے ساتھ النبوۃ بھی کہا جاتا ہے۔

اسی اقرب الموارد میں ہے۔

المخرج فیکون فعیلاً بمعنی مفعول" (اقرب الموارد جلد ۲ ص ۱۲۵۹ طبع مصر)

ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف نکلنے والے کو بھی "نبی" کہتے ہیں۔ یہ فعیل کے وزن پر اسم فاعل ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف نکالے ہوئے کو بھی "نبی" کہا گیا ہے۔ اس تقدیر پر فعیل بمعنی مفعول ہوگا۔

لفظ "نبی" کے عرفی معنی

۶ ؛ شرح مواقف میں ہے۔

(واما) مسماہ (فی العرف فھو عند اھل الحق) من الاشاعرۃ وغیرھم الملیین (من قال له اللہ) تعالیٰ ممن اصطفاہ من عبادہ ارسلتك الی قوم کذا او الی الناس جمیعاً او بلغھم عنی ونحوہ من (الالفاظ) المفیدۃ لھذا المعنی کبعثتك ونبئھم"

(شرح مواقف جلد ۸ ص ۲۱۷ طبع مصر)

حق پرست علماء اشاعرہ وغیرہم اہلِ ملت کے نزدیک عرفِ شرع میں لفظ نبی کا مسمیٰ وہ مقدس شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایسا برگزیدہ ہو جسے اللہ تعالیٰ فرمائے کہ میں نے تجھے اپنا پیغامبر بنا کر فلاں قوم یا تمام لوگوں کی طرف بھیجا یا میری طرف سے تو انہیں میرے احکام پہنچا ہے اور اسی طرح کے الفاظ جن کا مفاد یہی معنی ہوں جیسے بعثتك (میں نے تجھے مبعوث کیا) نبئھم (میری طرف سے میرے بندوں کو خبر پہنچا دے)

۷ ؛ شفاء قاضی عیاض میں نبوۃ شرعیہ کی تفسیر ان الفاظ میں فرمائی۔

"النبوۃ التی ھی الاطلاع علی الغیب" شفا شریف ص۳

یعنی وہ نبوت جو اطلاع علی الغیب ہے۔

۸ ؛ بعینہٖ یہی عبارت مواہب لدنیہ میں علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمائی ہے دیکھئے۔ مواہب لدنیہ جلد ۱ ص ۲۸۱

موضوع کلام کا جزو ثانی

موضوع کلام کے جزو اوّل کے بعد جزو ثانی کی طرف آیئے اور لفظ "عصمت" کے معنی، م

غور کیجئے ہم اختصار کے پیش نظر اس کے صرف اصطلاحی معنی کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں

عصمت کی تعریف

۱۔ مشہور کتاب تعریف الاشیاء میں علامہ میر سید شریف جرجانی فرماتے ہیں۔

"(العصمة) ملكة اجتناب المعاصي مع التمكن منها "

(تعریف الاشیاء ص ۶۵ طبع مصر)

گناہ کر سکنے کے باوجود گناہوں سے بچنے کا ملکہ عصمۃ ہے۔

۲ ، یہی عبارت اقرب الموارد میں ہے۔ ملاحظہ ہو اقرب الموارد جلد ۲ ص ۹۱ طبع مصر

۳ ، مفردات میں ہے۔

وعصمة الانبياء حفظه اياهم اولاً بما خصهم به من صفاء الجوهر ثم بما اولاهم من الفضائل الجسمية والنفسية ثم بالنصرة وتثبيت اقدامهم ثم بانزال السكينة عليهم وبحفظ قلوبهم وبالتوفيق " (مفردات امام راغب اصفہانی ص ۳۴۱ طبع مصر)

" عصمۃ انبیاء " کے معنی ہیں اللہ تعالےٰ کا اپنے نبیوں کو (ہر قسم کی برائی سے) محفوظ رکھنا ، اولاً اس صفاء جوہر کی وجہ سے جو انہی کے ساتھ خاص ہے پھر ان کے فضائل جسمیہ اور نفسیہ کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے پھر اپنی نصرتِ خاص اور انہیں ثابت قدم رکھنے کے ساتھ پھر ان پر سکون و طمانیت نازل فرما کر اور ان کے قلوب کو کجروی سے بچا کر اور اپنی توفیق ان کے شامل حال فرما کر۔

۴ ، یہی مضمون دستور العلماء میں ہے (دیکھئے دستور العلماء جلد ۲ ص ۳۲۵)

۵ ، نبراس میں ہے۔

العصمة ملكة نفسانية يخلقها الله سبحانه في العبد تكون سبباً لعدم خلق الذنب فيه " (نبراس ص ۵۳۲)

عصمت وہ ملکہ نفسانیہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندے (نبی) میں پیدا کرتا ہے۔ جو اس میں گناہ پیدا نہ ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔

۶ ، شرح عقائد نسفی میں ہے۔

وحقيقة العصمة ان لا يخلق الله في العبد الذنب مع بقاء قدرته واختياره (شرح عقائد نسفی ص ۷۳)

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ بندے کی قدرت اور اختیار کے باقی رہنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا اس بندہ میں گناہ پیدا نہ کرنا۔

۷ ، اسی شرح عقائد میں بقول بعض علماء عصمۃ کی تعریف اس طرح بھی منقول ہے۔

هي لطف من الله تعالى يحمله على فعل الخير ويزجره عن الشر مع بقاء الاختيار تحقيقاً للابتلاء " ______ (شرح عقائد ص ۷۲)

عصمۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا لطف ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقدس بندہ (نبی) کو فعل خیر پر برانگیختہ کرتا اور اسے شر سے بچاتا ہے مع ابقاء اختیار کے تاکہ ابتلاء کے معنی برقرار رہیں۔

۸ ، مجمع بحار الانوار میں ہے۔

والعصمة من الله دفع الشر " (جلد ۲ ، ص ۳۹۲)

عصمۃ من اللہ ، دفع شر ہے۔

۹ ، مسامرہ میں ہے۔

(العصمة) المشروطة معناها تخصيص القدرة بالطاعة فلا يخلق له) اى لمن وصف بها (قدرة المعصية "

(مسامرہ جلد ۲ ص ۸۱)

عصمۃ مشروطہ کے معنی ہیں قدرت کا طاعت کے ساتھ خاص کر دینا پس جو شخص اس عصمۃ کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے اس کے لئے معصیت کی قدرت پیدا نہیں کی جاتی "۔

نبوۃ و عصمۃ کے متعلق ہم نے اکابر علمائے امت کے اقوال نقل کر کے ان کا خلاصہ ترجمہ ہدیہ ناظرین کر دیا ہے اور تفصیلی ابحاث کو صرف اختصار کلام کے لحاظ سے

نظر انداز کر دیا ہے۔ اجزائے موضوع کی تشریح کے بعد ضرورت نبوت پر بھی کلام کرنا ضروری ہے تاکہ منکرینِ نبوت کے شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جائے اس کے بعد حکمت بعثت پر بھی غور کرنا ہے تاکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذواتِ قدسیہ کے ساتھ عصمت کا تعلق اچھی طرح واضح ہو سکے۔

ضرورت نبوت

اس میں شک نہیں کہ انسان میں جسمانیت، حیوانیت اور ملکیت سب کچھ موجود ہے جسم کے متعلقات و مناسبات جسمانیت کے لئے ضروری ہیں جیسے زمان و مکان، تشکل و تناہی، ہیئت مقدار وغیرہ اور حیوانیت کے لوازمات و ملحقات حیوانیت کے لئے لازم ہیں جیسے کھانا پینا اور اس کے متعلقات، علیٰ ہذا القیاس ملکیت کے مصححات و متعلقات کا ملکیت کے لئے ہونا ضروری ہے جیسے تسبیح و تحمید۔ لیکن جس طرح جسمانیت و حیوانیت و ملکیت تینوں انسان کے ارد گرد گھومتی ہیں۔ اسی طرح ان کے جملہ ضروریات و مناسبات بھی ضروریات و مناسبات انسانیہ کے آس پاس گردش کرتے ہیں۔ بلکہ یوں کہیے کہ انسان کل کائنات کے حقائق لطیفہ کا مجموعہ ہے اور سب مخلوقات انسان کی خادم اور انسان سب کا مخدوم ہے۔ لہٰذا کل مخلوقات کی ضروریات انسان کی ضروریات کی خادم اور انسانی ضروریات سب کی مخدوم ہیں۔ گویا کل کائنات کی ضروریات، ضروریاتِ انسانیہ کے محور پر گھوم رہی ہیں۔ دنیائے انسانیت کا یہ عظیم الشان نظام دامنِ نبوت سے وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن افراد انسانی کا رابطہ بارگاہِ نبوت سے وابستہ ہے یہی وجہ ہے کہ جن افراد انسانی کا رابطہ بارگاہِ نبوت سے قائم نہیں ہوا وہ حیوانیت اور بہیمیت کے گڑھوں میں جا گرے۔

ضرورت نبوت پر پہلی دلیل

مقصد تخلیق کے حصول کا موقوف علیہ ہمیشہ ضروری ہوا کرتا ہے انسان معرفتِ الٰہیہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور خدا کی معرفت کا حاصل ہونا نبوت و رسالت کے بغیر ممکن نہیں اس لئے نبوت و رسالت کا وجود انسان کے لئے ضروری ہے۔ منکرین نبوت کا یہ کہنا علم و عقل کی روشنی میں قطعاً باطل ہے کہ جب انسان کے پاس حواس اور عقل دونوں موجود ہیں تو اسے نبوت و رسالت کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں عرض کروں گا خدا کی معرفت حاصل کرنے کے لئے نہ حواس کافی ہیں نہ عقل؛ جن لوگوں نے خدا کی معرفت کے لئے حواس کو کافی سمجھا وہ محسوسات اور مظاہر کائنات کی پرستش میں مبتلا ہو گئے اور جنہوں نے عقل پر اعتماد کیا ان میں اکثر لوگ خدا کے منکر ہو گئے اور جو صریح انکار کی جرأت نہ کر سکے انہوں نے ذات و صفات کے مسائل میں ایسی ٹھوکریں کھائیں کہ معرفت کی راہوں سے بہت دور جا پڑے اور عقل ناتمام کی وادیوں میں بھٹک کر ظنون و اوہام کے گڑھوں میں جا گرے۔ قرآن کریم نے ایسے ہی لوگوں کے حق میں ارشاد فرمایا۔ ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون۔ رہا یہ امر کہ خدا ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو اس کی معرفت ضروری ہے یا نہیں۔ تو یہ ایک علیحدہ مستقل موضوع ہے جس پر ہم کسی دوسرے مقام پر مفصل گفتگو کر چکے ہیں۔ یہاں صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ مصنوع کا وجود صانع کے وجود کی دلیل ہے اور مصنوع کی تخلیق کسی حکمت و مقصد کے بغیر نہیں ہوتی اور کسی مصنوع کی حکمت تخلیق کا فوت ہو جانا اس مخلوق کے عبث ہونے کو مستلزم ہے۔ انسان کے اوصاف و خواص اس امر کی دلیل ہیں کہ وہ اپنے خالق کا مظہر ہے۔ اب اگر وہ اس حقیقت کو پہچاننے کی صلاحیت رکھنے کے باوجود بھی نہ پہچانے تو اس نے خود اپنے وجود کو عبث قرار دے دیا اور اگر پہچانے تو چونکہ وہ ذات باری تعالیٰ کا مظہر ہے لہٰذا اپنے آپ کو صحیح معنی میں پہچاننا دراصل اپنے خالق کو پہچاننا ہے۔ جیسا کہ مشہور ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ معرفتِ خداوندی کے بغیر انسان کا وجود عبث ہے اور اگر انسان چاہتا ہے کہ میرا وجود عبث نہ ہو تو معرفتِ الٰہیہ کے بغیر اس کے لئے کوئی چارہ کار نہیں۔

ضرورتِ نبوت پر دوسری دلیل

قانون فطرت یہ ہے کہ ہر نوع کے مدرکات کو معلوم کرنے کے لئے اسی نوع کا ادراک عطا کیا گیا ہے۔ مثلاً مبصرات کو جاننے کے لئے ادراک بصری اور مسموعات کے لئے ادراک سمعی علیٰ ہذا القیاس پانچوں حواس کو سمجھئے۔ ہر نوع محسوس کے لئے اسی نوع

کا حاسہ ہمارے اندر پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد معقولات کا وجود ہے جنہیں معلوم کرنے کے لئے عقل عطا فرمائی گئی اور ایک ادراکِ انسانی کی تگ و دو حواس و عقل سے آگے نہ تھی مگر اس کی ضروریات کا تعلق ان دونوں سے آگے تھا۔ جسے عالمِ غیب کہا جاتا ہے جب تک اس عالم تک کسی کی نہ رسائی نہ ہو اس مقام کے ساتھ متعلقہ انسانی ضرورتیں پوری نہیں ہو سکتیں۔ نبوت جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں اطلاع علی الغیب ہی کا نام ہے لہٰذا انسانی ضرورتوں کے پورا ہونے کے لئے نبوت کا ہونا ضروری ہے۔

ضرورت نبوت پر تیسری دلیل

حاسّہ سبب ادراک ہے اور اس سے غلطی بھی واقع ہو جاتی ہے، لہٰذا اس کے ازالہ کے لئے عقل کا اس پر حاکم ہونا ضروری تھا۔ مگر جب عقل بھی ٹھوکر کھائے تو اس کا ازالہ نہ عقل کر سکتی ہے نہ حواس۔ کیوں کہ حواس عقل کے محکوم ہیں اور عقل بحیثیت عقل ہونے کے مساوی ہے۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ عقل پر ایسی چیز کو حاکم تسلیم کیا جائے جو غلطی سے پاک ہو اور وہ نبوۃ ہے کیوں کہ نبوۃ ہی غلطی سے مبرا ہے۔ لہٰذا اختلاف عقل کی مضرتوں سے بچنے کے لئے ”نبوۃ“ کو ماننا ضروری ہوا۔ نبوۃ کا غلطی سے پاک ہونا ہی عصمۃ نبوۃ کا مفہوم ہے معلوم ہوا کہ ”عصمۃ“ لوازم نبوۃ سے ہے اس مقام پر زلّات انبیاء علیہم السلام سے وہم پیدا کرنا درست نہیں۔ انشاء اللہ یہ مفصل بحث ہم آگے چل کر ہدیۂ ناظرین کریں گے۔

استدراک

شاید اس بیان کی روشنی میں ضرورت نبوۃ کے ساتھ اجرائے نبوت کا شبہ پیدا کر لیا جائے اس لئے گزارش ہے کہ ضرورت نبوۃ سے اجرائے نبوۃ ہرگز لازم نہیں آتا۔

اللہ تعالےٰ نے اپنی حکمت کے مطابق خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت مبعوث فرمایا جب کہ نوع انسانی اپنی حیات کے منازل طے کرتی ہوئی ایسے مرحلہ پر پہنچ گئی تھی کہ اس کے لئے جو نظام مقرر کیا جائے قیامت تک اس کی تمام ضروریات کے لئے وہی قابلِ عمل ہو۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: الیوم اکملت لکم

دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا میں نے آج تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور میں نے تمہارے لئے دینِ اسلام پسند کر لیا۔

یہ ارشاد خداوندی منکرینِ ختمِ نبوت کے اس شبہ کا قلع قمع کرنے کے لئے کافی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبوۃ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے دامن سے ایسا دین وابستہ ہے۔ جو قیامت تک پیش آمدہ ضروریات کے پورا ہونے کا واحد ذریعہ ہے، نبوت و رسالت محمدیہ ہی بنی نوع انسان کے ہر فرد کے لئے ضروری ہے اس کے بعد کسی کو نبوت دیا جانا متصوّر نہیں۔ ضرورت نبوۃ کے لئے اجراء نبوۃ کو لازم سمجھنا اکمالِ دین کے منافی ہے۔

ضرورتِ نبوت کے بعد حکمت بعثت پر بھی غور کرتے چلیں تاکہ عصمت و نبوت کا باہمی تعلق اور زیادہ واضح ہو جائے۔

قرآن کریم میں بعثت انبیاء علیہم السلام کی حکمتیں بکثرت آیات میں بیان کی گئی ہیں۔ جن میں بعض حسب ذیل ہیں۔

١ ؛ وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللّٰہ۔ پارہ ۵ سورۃ نساء۔
٢ ؛ وما نرسل المرسلین الا مبشرین ومنذرین پارہ ۷ سورۃ انعام
٣ ، ومن یطع اللّٰہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیماً پارہ ۲۲ سورۃ احزاب
٤ ، ومن یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ ۔ پارہ ۵ سورہ نساء۔
٥ ، لقد من اللّٰہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم
یتلوعلیھم اٰیاتہٖ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ
وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔ پارہ ۴ سورۃ آلِ عمران

”ضرورت نبوۃ“ کے ضمن میں جن امور کو ہم نے بیان کیا ہے یہ آیات مبارکہ روز روشن کی طرح ان کی تائید کرتی ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت سے متعلق حسبِ ذیل حکمتوں کی نشاندہی کرتی ہیں۔

۱ ، اللہ تعالیٰ کے بندوں سے اللہ کی اطاعت کرانا۔
۲ ، عالمِ غیب سے متعلق آخرت کی نعمتوں کی خوشخبری دینا اور عذابِ الہٰی سے ڈرانا۔
۳ ، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا نجاوت اخروی اور سعادت ابدی کے لئے شرط ہونا۔
۴ ، اطاعت رسول کا اطاعت خداوندی ہونا تاکہ بندوں کے لئے اطاعتِ الہٰی کی راہ متعین ہو جائے۔
۵ ، آیاتِ الٰہیہ کا تلاوت کرنا۔
۶ ، ایمان والوں کا ظاہر و باطن پاک کرنا
۷ ، کتابِ الہٰی اور حکمت و دانائی کی تعلیم دینا۔

بیان سابق کی تفصیلات کو ذہن نشین کرنے کے بعد اگر نبوت و رسالت کے ان مناسب اور بعثتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حکمتوں پر غور کیا جائے تو یقیناً عصمت نبوت کا اقرار کرنا پڑے گا۔

کم از کم اتنی بات تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس کام کے کرنے کی صلاحیت کسی میں نہ ہو وہ کام اس کو سپرد نہیں کیا جاتا۔ ایک ظالم کو کرسی عدالت پر بٹھانا، ان پڑھ آدمی کو علم و حکمت کی موشگافیوں کا کام سونپنا، کسی بدکار فاسق و فاجر کو عفیفات کی عزت و ناموس کی حفاظت کے لئے متعین کرنا، بیمار و ناتواں کے سر پر بھاری بوجھ رکھ دینا، گم کردہ راہ سے ہدایت طلب کرنا کسی عاقل کا کام نہیں۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان امور کی صلاحیتوں کے بغیر ہی اللہ تعالیٰ ان کی انجام دہی کا منصبِ انبیاء علیہم السلام کو سونپ دے؟ جب یہ ممکن نہیں تو ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت کے ساتھ وہ تمام قوتیں اور صلاحیتیں بھی انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمائی ہیں جن کا ہونا ان کے لئے ضروری تھا اور یہی عصمت کا مفہوم ہے جس کے بغیر نبوت ایسی ہے جیسے بینائی کے بغیر آنکھ اور روشنی کے بغیر سورج !

مسئلہ عصمت میں اقوال علماء

امور تبلیغیہ میں کذب عمد سے عصمت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر جمیع اہل ملل و شرائع کا اجماع ہے اور سب اس بات پر متفق ہیں کہ تبلیغ میں انبیاء علیہم السلام سے عمداً صدور کذب عقلاً محال ہے۔

شرح مواقف میں اس کی دلیل بیان کرتے ہوئے فرمایا !

" اذ لوجاز علیھم التقول والافتراء فی ذالك عقلاً لادی الی ابطال دلالۃ المعجزۃ وھو محال " شرح مواقف جلد ۸ ص ۲۶۳ طبع مصر

کیونکہ اگر یہ (کذب عمد فی التبلیغ) عقلاً جائز ہو تو دلالتِ معجزہ کے ابطال کی طرف مودی ہوگا اور وہ محال ہے۔

البتہ علی سبیل السہو والنسیان، میں قاضی ابوبکر نے اختلاف کیا ہے مگر آئمہ اعلام اس میں بھی عقلاً عدم جواز ہی کے قائل ہیں۔ رہے باقی ذنوب یعنی کذب فی التبلیغ کے علاوہ تو وہ کفر ہوں گے۔ یا غیر کفر۔ عصمت عن الکفر پر اجماع امت ہے عام اس کے قبل النبوۃ ہو یا بعد النبوۃ اس اجماع کے خلاف خوارج کے ایک خاص گروہ ازارقہ کا قول پایا جاتا ہے جو اہل حق کے نزدیک باطل و مردود ہے۔ قائلین تقیہ نے انبیاء علیہم السلام سے خوف کے وقت تقیۃً اظہار کفر کو جائز مانا ہے مگر اہل حق کے نزدیک یہ قول بھی قطعاً باطل ہے کیونکہ یہ اخفائے دعوت اور ترک تبلیغ رسالت کی طرف مفضی ہے جو انبیاء علیہم السلام کے حق میں محال ہے۔

اب ان گناہوں کے متعلق سنیئے جو کفر کے ماسوا ہیں۔ تو ان کی دو قسمیں ہیں کبائر و صغائر۔ ان میں سے ہر ایک کے دو حال ہیں یا ان کا صدور عمداً ہوگا یا سہواً۔ دو کو دو سے ملا کر چار قسمیں حاصل ہوئیں، کبیرہ، عمداً، کبیرہ سہواً، صغیرہ عمداً صغیرہ سہواً۔ ان اقسام اربعہ میں سے ہر ایک قبل البعثت ہوگا یا بعد البعثت انبیاء علیہم السلام سے کبائر کا صدور خواہ عمداً ہو یا سہواً بعد النبوۃ شرعاً محال ہے، قول مختار یہی ہے قبل النبوۃ اکثر مشائخ کے نزدیک محال نہیں۔ اسی طرح عمداً بعد البعثت صغائر کا

بھی محال ہے۔ سہواً میں اختلاف ہے، اکثر مشائخ جواز (یعنی امکان) کے قائل ہیں۔ لیکن جو صغائر رذالت و خست اور دناءۃ کا موجب ہوں بالاتفاق ان کا صدور انبیاء علیہم السلام سے ممکن نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس محققین اہلسنت کے نزدیک انبیاء علیہم السلام ان امور سے بھی معصوم ہیں جو موجب نفرت ہوں جیسے امہات و زوجات کا فجور اور آباء کی دناءۃ و رذالت مختصر یہ کہ باب ذنوب میں جمہور اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی نبوت کے زمانہ میں کبائر سے مطلقاً اور صغائر عمداً سے معصوم ہیں اور انہوں نے اپنے اس دعویٰ پر حسبِ ذیل دلائل قائم کیے ہیں۔

پہلی دلیل: از روئے قرآن و اجماع انبیاء علیہم السلام کا اتباع فرض ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ اور گناہ حرام ہے اگر کسی نبی سے گناہ صادر ہو تو اس کی اتباع حرام ہوگی کیوں کہ اس صورت میں وہ گناہ بھی کرنا پڑے گا جو نبی نے کیا ورنہ اس کی اتباع نہ ہو سکے گی۔ اور گناہ حرام ہونے کی وجہ سے نبی کی اتباع بھی حرام ہوگی اور نبی کی اتباع کا حرام ہونا قطعاً باطل ہے لہٰذا نبی سے گناہ کا صادر ہونا بھی باطل ہوگا۔

دوسری دلیل: اجماع اور قرآن کی رو سے گناہگار کی شہادت مردود ہے اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہوں تو معاذ اللہ وہ مردود الشہادۃ قرار پائیں گے اور یہ قطعاً محال ہے لہٰذا ان سے گناہ کا ہونا بھی محال ہے۔

تیسری دلیل: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہوں تو انہیں گناہ سے باز رکھنے کے لئے زجر کرنا پڑے گا جو ایذا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی ایذا قطعاً حرام ہے لہٰذا ان سے گناہ کا صدور ممکن نہیں۔

چوتھی دلیل: "گناہ" ظلم و معصیت اور موجب ملامت و مذمت ہے اور ظالم و عاصی کے حق میں لعنت اور نارِ جہنم کی وعید قرآن کریم میں وارد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جہنم (پارہ ۲۹ سورۃ جن) نیز فرمایا: الا لعنۃ اللہ علی الظالمین (پارہ ۸ سورۃ الاعراف) اسی طرح ملامت و مذمت بھی وارد ہے۔

(پارہ ۲۳ سورۃ ص) میں سب کو بہکاؤں گا سوا تیرے مخلص بندوں کے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات میں اس کی تکذیب نہیں فرمائی بلکہ ان عبادی لیس لک علیہم سلطان (پارہ ۱۴ سورۃ ابراھیم) کہہ کر تصدیق فرمائی۔ ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور گناہوں کا ارتکاب ان سے نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ کہ ان کا مصطفیٰ اور اخیار (یعنی برگزیدہ اور پسندیدہ) ہونا ان کی عصمت عن المعصیۃ کو اور بھی زیادہ واضح کر رہا ہے اگر اس مقام پر یہ شبہ وارد کیا جائے کہ بعض انبیاء غیر مخلص ہیں اور بعض مخلص غیر انبیاء ہیں۔ اگر مخلص ہونا عصمت کی دلیل ہے تو غیر مخلص نبی کی عصمت ثابت نہ ہوگی، اور مخلص غیر نبی کا معصوم ہونا بھی لازم آ جائے گا۔ حالاں کہ یہ دونوں امر مستدل کے نزدیک باطل ہیں تو میں عرض کروں گا کہ یہ شبہ اس وقت درست ہو سکتا تھا جب کہ انبیاء علیہم السلام کو عام لغوی معنی کے اعتبار سے مخلص کہا جائے لیکن قرآن مجید میں ایسے خاص معنی کے لحاظ سے انبیاء کرام کو مخلص فرمایا گیا ہے جو نبوت کی خصوصیات اور اس کے لوازمات سے ہیں جن کی رو سے ہر نبی کا مخلص ہونا ضروری ہے اور کسی غیر نبی کا مخلص ہونا ممکن نہیں (جیسا کہ سورۃ ص کی آیت منقولہ بالا انا اخلصناھم بخالصۃ ذکری الدار سے واضح ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے انا اخلصناھم فرما کر "اخلص" فعل کی اسناد اپنی ذات مقدسہ کی طرف فرمائی۔ یعنی ہم نے انہیں مخلص بنایا پھر آیۃ مبارکہ میں ان کے مخلص ہونے کا سبب خالصۃ کو قرار دیا گیا ہے اور "ذکری الدار" اس کا بیان ہے۔ "خالصۃ" کی تنوین تنکیر برائے تعظیم ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں خصلت خالصہ عظیمہ وجلیلہ کے سبب مخلص کیا ہے۔ جو آخرت کی یاد ہے اور یاد آخرت سے مراد ان کا انذار و تبشیر ہے جس کا ذکر آیۃ کریمہ وما نرسل المرسلین الا مبشرین ومنذرین (پارہ ۷ سورۃ انعام) میں وارد ہے یوں تو ہر ایک یاد آخرت کر لیتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے بصیرت و یقین پا کر نعمائے جنت کی خوشخبری سنانے اور عذابِ نار سے ڈرانے پر مامور ہو کر یاد آخرت کرنا ایسی خصلت خالصہ عظیمہ وجلیلہ ہے جو نبوت کا خاصہ اور لازمہ ہے۔ نیز اس نوعیت سے بشیر و نذیر ہونا اور آخرت کی دائمی یاد کرنا ہر نبی کے لئے لازم اور نبوۃ کا خاصہ ہے اس بیان سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ہر نبی مخلص ہونے

ارشاد فرمایا : لم تقولون مالاتفعلون۔ پارہ ۲۸ سورۃ الصف) ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے اتأمرون الناس بالبر وتنسون انفسکم (پارہ ۱ سورۃ بقر) اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہو تو خاکم و بدہن وہ نار جہنم کے مستحق، ملامت کے حق دار اور ملعون و مذموم ہوں گے جو قطعاً باطل ہے لہٰذا ان سے گناہ کا صادر ہونا بھی باطل و مردود ہے۔

پانچویں دلیل : اگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے گناہ صادر ہوں تو وہ اپنی امت کے گناہگاروں سے بھی زیادہ بدحال اور گئے گذرے ہوں گے۔ کیوں کہ بزرگی اور کرامت میں جس قدر زیادہ مرتبہ بلند ہو، گناہ کرنے پر اسی قدر عقلاً و نقلاً زیادہ عذاب کا استحقاق ہوتا ہے۔ نبوت سے زیادہ بلند کوئی مرتبہ نہیں اس لئے نبی کے گناہ کا عذاب تمام گناہگاروں کے عذاب سے زیادہ ہوگا اور یہ ایسی زبوں حالی ہے جو نبی کے حق میں متصور نہیں لہٰذا گناہ کا صدور بھی کسی نبی سے نہیں ہو سکتا۔

چھٹی دلیل : "گناہ" اپنے نفس پر ظلم ہے اور ظالم اللہ تعالیٰ کے عہد کو نہیں پا سکتا۔ قرآن مجید میں ہے : لاینال عہدی الظالمین (پارہ ۱ سورۃ بقر) نبوت سب سے بڑا عہد ہے جو کسی ظالم کو نہیں مل سکتا۔ انبیاء علیہم السلام نے جب عہد نبوت کو پا لیا تو ثابت ہو گیا کہ وہ گناہوں سے معصوم ہیں۔

ساتویں دلیل : انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے عباد مخلصین ہیں جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے حق میں ارشاد الٰہی وارد ہے۔ انہ من عبادنا المخلصین (پارہ ۱۲ سورۃ یوسف) اور موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا انہ کان مخلصاً وکان رسولاً نبیاً (پارہ ۱۶ سورہ مریم) اور حضرت ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے : انا اخلصناھم بخالصۃ ذکری الدار وانھم عندنا لمن المصطفین الاخیار (پارہ ۲۳ سورۃ ص) المخلصین ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت کے لئے خاص کر لیتا ہے اور انہیں ہر اس چیز سے معصوم کر دیتا ہے جو طاعت خداوندی کے خلاف ہے اس لئے مخلصین سے گناہ کا صدور نہیں ہو سکتا اور اسی بنا پر شیطان نے کہا تھا : لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین۔

کی وجہ سے معصوم ہے اور کوئی غیر نبی ان معنی میں مخلص نہیں جو انبیاء مخلصین میں پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا کسی غیر نبی کا معصوم ہونا لازم نہیں آتا۔

آٹھویں دلیل : اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا : ولقد صدق علیھم ابلیس ظنہ فاتبعوہ الا فریقاً من المومنین (پارہ ۲۲ سورہ سبا) وجہ استدلال یہ ہے کہ الا فریقاً من المومنین سے انبیاء علیہم السلام مراد ہیں یا ان کی امت کے مومنین ؟ بر تقدیر اول ہمارا مدعا ثابت ہے کیوں کہ اتباع شیطان ہی گناہ ہے جب وہ اتباع شیطان سے محفوظ رہے تو یہی محفوظیت ان کے حق میں عصمت ہے بر تقدیر ثانی انبیاء علیہم السلام کا اتباع شیطان سے محفوظ رہنا بطریق اولیٰ ثابت ہوگا کیوں کہ جس کی امت کے مومنین شیطان کے متبع نہیں وہ نبی کیوں کر اس لعین کا متبع ہو سکتا ہے بالفاظ دیگر یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ شیطان کی اتباع سے بچنا تقویٰ ہے اور بدلالت نص قطعی ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (پارہ ۲۶ سورۃ الحجرات) تقویٰ معیار فضیلت ہے اگر الا فریقاً من المومنین سے مومنین مراد لے کر انبیاء علیہم السلام سے صدور گناہ کا قول کیا جائے تو غیر نبی کا نبی سے افضل ہونا لازم آئے گا۔ جو بالاتفاق باطل ہے ثابت ہوا کہ بہر تقدیر انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا اس آیت کا مفاد ہے۔

نویں دلیل :۔ اللہ تعالیٰ نے مکلفین کو دو گروہ میں تقسیم فرمایا "حزب اللہ" اور "حزب الشیطان"، اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ کا صدور مانا جائے تو کم از کم صدور معصیت کے وقت تو معاذ اللہ وہ ضرور ہی حزب الشیطان قرار پائیں گے کیوں کہ مطیع حزب اللہ ہیں اور عاصی حزب الشیطان۔ اور حزب الشیطان خاسرین ہیں۔ لقولہ تعالیٰ الا ان حزب الشیطان ھم الخاسرون (پارہ ۲۸ سورۃ المجادلہ) ایسی صورت میں العیاذ باللہ انبیاء کرام کو خواہ ایک آن ہی کے لئے ہو، خاسرین کہنا پڑے گا جو بداہتہً باطل ہے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ کا صدور قطعاً ممکن نہیں۔

علاوہ ازیں بکثرت افراد امت زہاد و عباد زمرہ مفلحین میں داخل ہیں پھر یہ عجیب بات ہوگی کہ افراد امت مفلحون ہوں اور انبیاء خاسرون۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ساء

مایحکمون۔

دسویں دلیل، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام و دیگر انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا انھم کانوا یسارعون فی الخیرات (پارہ ۱۷ سورۃ الانبیاء) بے شک وہ نیکیوں میں جلدی کرتے تھے "الخیرات" جمع معرف باللام ہے اور ایسی جمع عموم کے لئے ہوتی ہے لہٰذا وہ فعل اور ترک دونوں سے متعلق سب نیکیوں کو شامل ہوگی۔ فعل سے مراد وہ نیکیاں ہیں جو عمل اور قول سے حاصل ہوتی ہیں جیسے نماز روزہ، حج و زکوٰۃ اور ترک سے وہ نیکیاں مراد ہیں جو کسی کام کو نہ کرنے سے حاصل ہوتی ہیں جیسے جھوٹ، چوری، غیبت، زنا نہ کرنا خلاصہ یہ کہ جس طرح عبادات فعلیہ کا عمل میں لانا نیکی ہے اسی طرح گناہ کے کاموں کا نہ کرنا بھی نیکی ہے اور "الخیرات" کا لفظ سب کو شامل ہے۔ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام گناہ نہ کرنے میں بھی مسارعت کی صفت سے متصف ہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے قول انھم عندنا لمن المصطفین الاخیار (پارہ ۲۳ سورہ ص) میں لفظ "مصطفین" اور "اخیار" دونوں ہر اس فعل اور ہر اس ترک کو شامل ہیں جس میں نیکی پسندیدگی اور برگزیدگی کے معنی پائے جائیں۔ اس عموم کی دلیل صحت استثناء ہے کیوں کہ یہ کہنا جائز ہے کہ فلان من المصطفین الا فی کذا او من الاخیار الا فی کذا۔ سنی امر کا عموم صحت استثناء کی شرط ہے، جب یہاں استثناء صحیح ہے تو عموم ثابت ہو گیا اور عموم اس امر کی دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام کل امور میں برگزیدہ اور پسندیدہ ہیں۔ لہٰذا ان سے گناہ کا صدور جائز نہ ہوا۔

استدراک

یہاں بعض لوگوں نے یہ شبہ وارد کیا ہے کہ اصطفاء صدور معصیت کے منافی نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا۔

ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا فمنھم ظالم لنفسہ۔ پ۲۲ سورۂ فاطر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مصطفین کو تین قسموں پر منقسم کر دیا۔ ظالم، مقتصد اور سابق ان اقسام میں ظالم کا ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ اصطفاء کے باوجود بھی گناہ ہو سکتا ہے اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ انبیاء علیہم السلام آیت کریمہ میں مذکور نہیں نہ وہ "الذین" میں شامل ہیں۔ یہاں غیر انبیاء کا اصطفاء مذکور ہے اور غیر انبیاء کے اصطفاء پر انبیاء علیہم السلام کے اصطفاء کا قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیوں کہ اصطفاء کے مراتب مختلف ہیں ہر شخص کا اصطفاء اس کے حسب حال ہوتا ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا حال باقی تمام کائنات سے افضل و اکمل ہوتا ہے اس لئے ان کا اصطفاء بھی کل مخلوقات سے اکمل و اعلیٰ ہونا ضروری ہے، لہٰذا غیر انبیاء کے (لغوی) اصطفاء کا صدور ذنب کے منافی نہ ہونا ہرگز اس بات کو مستلزم نہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا اکمل و اعلیٰ اصطفاء بھی صدور ذنب کے منافی نہ ہو

دوسرا جواب یہ ہے کہ "فمنھم ظالم" میں ضمیر مجرور "مصطفین" کی طرف نہیں بلکہ "عباد" کی طرف راجع ہے کیوں کہ اقرب مذکورین کی طرف ضمیر کا لوٹنا اولیٰ ہے۔ لہٰذا اقسام ثلثہ (جن میں ظالم بھی شامل ہے) مصطفین کے نہیں بلکہ عباد کے ہیں۔ اس تقدیر پر شبہ مذکورہ اصل سے ساقط ہو گیا۔ وللہ الحمد۔

زیر نظر مضمون کے اکثر مطالب اور عصمت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر یہ دس دلیلیں ہم نے شرح مواقف کو سامنے رکھ کر مرتب کی ہیں اور حسب ضرورت دلائل کی قوت کو واضح کرنے کے لئے بعض مقامات پر بسط کے ساتھ کلام کر دیا ہے۔ اہل علم حضرات سے امید ہے کہ وہ ہماری اس جرأت کو ضرورت پر محمول فرمائیں گے۔

اب ان مخالفین کی طرف آیئے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد البعثت عمداً صدور کبائر و صغائر کو جائز مانتے ہیں۔

ان لوگوں کا استدلال قصص انبیاء علیہم السلام سے ہے جن میں سے بعض قصے قرآن و حدیث اور آثار صحابہ میں منقول ہیں جن سے بظاہر وہم پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے ان کے زمانہ نبوت میں گناہوں کا صدور ہوا۔ سب کا اجمالی

جواب یہ ہے کہ وہ واقعات اخبار آحاد میں منقول ہیں یا بطریق تواتر۔ پہلی صورت میں واجب الرد ہیں اس لئے کہ کسی راوی کی طرف خطا کا منسوب کر دینا انبیاء علیہم السلام کی طرف گناہ منسوب کرنے سے زیادہ آسان ہے۔

بر تقدیر ثانی چونکہ وہ دلائلِ عصمت سے متعارض ہیں اس لئے مؤول ہوں گے وجوہ تاویل، موقع محل اور اقتضاء کلام کے اختلاف کے لحاظ سے مختلف ہوں گی۔ مثلاً بعض واقعات کو بشرطِ اقتضاء مقام قبل البعثت پر حمل کیا جائے گا۔ بعض میں اقتضاء مقام کے لحاظ سے انبیاء علیہم السلام کے ان افعال کو جنہیں منکرین عصمت معصیت قرار دیتے ہیں ”ترکِ اولیٰ“ کہا جائے گا۔ بعض مواقع ایسے بھی ہوں گے جہاں موقع محل کی مناسبت سے ان افعال کو صدور صغیرہ سہواً قرار دیا جائے گا۔ کسی جگہ موہم کلام کو دلیل کی روشنی میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تواضع اور کسر نفسی پر حمل کیا جائے گا۔

رہا یہ شبہ کہ ان افعال میں بعض ایسے ہیں جن کے لئے لفظ ذنب وارد ہوا۔ جیسے لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک۔ بعض وہ ہیں جن کے ارتکاب کے بعد حضرات انبیاء علیہم السلام نے استغفار فرمایا۔ نیز ان میں بعض ایسے افعال بھی ہیں جنہیں کرنے کے بعد انبیاء علیہم السلام نے اپنے نفسوں پر ظلم کرنے کا اعتراف کیا۔ پھر انہیں کیوں کر ترک اولیٰ یا صغائرِ صادرہ عن السہو پر حمل کیا جا سکتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ترکِ اولیٰ جیسے ہلکے امور کو ذنب سے تعبیر کرنے کی وجہ منصبِ نبوت کی عظمت اور انبیاء علیہم السلام کے درجات کی رفعت و بلندی ہے اور اسی عظمت و رفعت کے پیشِ نظر حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے صغیرہ صادرہ عن السہو اور خلافِ اولیٰ کاموں پر اعترافِ ظلم کر کے استغفار کیا۔ تعلیمات قرآنیہ کی روشنی میں یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین۔ ع۔ جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے۔

یہ بھی حق ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے عاجزی، تواضع کسر نفسی کیلئے اعترافِ ظلم اور استغفار فرمایا۔ ان مقدسین کا ایسا کرنا دراصل اپنے رب کی بارگاہ میں تضرع وزاری ہے اور یہ اعتراف و استغفار ان کے انتہائی فضل و کمال پر دال ہے چہ جائیکہ اسے ان کے ظالم و عاصی ہونے کی دلیل بنا لیا جائے۔ مخالفین کے دلائل کا جواب تو ہم دے چکے۔ البتہ اہل علم کی دلچسپی کیلئے تفصیلی گفتگو باقی ہے جسے ہم کسی دوسری فرصت